حضرت عطاء بن ابی رباح رحمۃ اللہ علیہ

۲۷ھ ——————— ۱۱۴ھ

(مولانا حافظ محمد اسحاق صاحب صدر مدرس تقویۃ الاسلام لاہور)

(۱)

امام احمد بن حنبل نے کیا خوب فرمایا ہے۔

العلم الخزائن یقسم اللہ لمن احب۔ لو کان یخص بالعلم احد لکان بیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم اولی ـــ کان عطاء بن ابی رباح حبشیا وکان یزید بن ابی حبیب نوبیا اسود، وکان الحسن مولی للانصار وکان محمد بن سیرین مولی للانصار[۱]

"علم اللہ تعالیٰ کا خزانہ ہے جسے وہ اپنے بندوں میں تقسیم کرتا رہتا ہے جسے چاہتا ہے اس کو اس خزانہ سے نصیب وافر اور حصہ کامل عطا فرماتا ہے۔ اگر وہ اس کو کسی خاص گروہ کے لئے مخصوص کرتا تو یقیناً خاندانِ نبوت سے بڑھ کر اس کا کوئی حقدار نہ ہوتا مگر دیکھئے اسی خزانہ کی بدولت عطا بن ابی رباح حبشی یزید بن ابی حبیب نوبی، حسن بصری اور محمد بن سیرین جیسے غلام علمی دنیا میں آفتاب نصف النہار بن کر چمک رہے ہیں"۔

اگر آپ یہ حقیقت معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ کس طرح علم شریعت ایک ذرۂ ناچیز کو قعر گمنامی سے اٹھا کر ترقی و شہرت کے مقام پر پہنچا دیتا ہے تو موجودہ اشاعت میں حضرت عطا بن ابی رباحؒ کے حالات ملاحظہ فرمائیے اور اندازہ کیجئے کہ اگر انہوں نے اپنے آپ کو علم و فضل سے آراستہ نہ کیا ہوتا تو ان جیسے سیاہ فام کریہہ المنظر، پست بینی، ایک آنکھ سے کانے اور ایک ہاتھ سے ناکارہ

[۱] صفۃ الصفوہ ص ۱۱۹ جلد ۲۔

غلام کو کوئی دیکھنا بھی پسند نہ کرتا۔ چہ جائیکہ لوگ بصد ادب و احترام اس کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کرنے کو اپنی سب سے بڑی سعادت سمجھتے۔

حضرت عطاء بن ابی رباح رحمۃ اللہ علیہ جس قدر ظاہری حسن و جمال سے عاری تھے اس سے کہیں زیادہ باطنی اور معنوی کمالات سے مالامال تھے۔ یہی وجہ ہے کہ امت کے تمام طبقے عوام سے لے کر سلاطین اور جہاں سے لے کر چوٹی کے علماء تک آپ کی تعریف و توصیف میں رطب اللسان ہیں اور ان کے خرمن علم سے خوشہ چینی کو اپنے لئے سرمایہ فخر و مباہات سمجھتے ہیں۔

نام و نسب عطاء بن ابی رباح نام۔ ابو محمد کنیت ۲۷ھ کو یمن کے مردم خیز قصبہ جند میں حبشی والدین کے ہاں پیدا ہوئے۔ مکہ معظمہ میں تربیت پائی۔ جہاں آپ کے والد ٹوکریاں بنا کر بیچا کرتے تھے۔ آپ کے والد ابو رباح کا نام اسلم اور والدہ کا نام برکت تھا۔ آپ مکہ میں رہنے والی ایک عورت کے آزاد کردہ غلام تھے۔ جو قبیلہ بنو فہر سے تعلق رکھتی تھیں۔ سن رشد کو پہنچے تو تحصیل علم کے لئے جلیل القدر صحابہ کرام اور عظیم المرتبت تابعین عظام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کے علوم و فنون کو اپنے قلب و دماغ میں محفوظ کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ شدید جد و جہد اور لگاتار سعی و کوشش کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ نے بہت جلد چوٹی کے علماء میں اپنے لئے ایک اونچا مقام پیدا کر لیا۔

اساتذہ آپ کو دو سو صحابہ سے شرف تلمذ حاصل ہوا جن میں سے چند کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت معاویہؓ، حضرت اسامہ بن زیدؓ، حضرت جابر بن عبداللہؓ، حضرت زید بن ارقمؓ، حضرت ابوہریرہؓ، ام المومنین حضرت عائشہ اور حضرت ام سلمہؓ وغیرہ ان صحابہ کرام کے علاوہ تابعین میں سے ابو صالح السمان، صفوان بن یعلی، حضرت عروہ بن زبیر، ابن ابی ملیکہ، ابو الزبیر، اور حبیب بن ثابت وغیرہ سے بھی کسب فیض کیا۔

علم و فضل علم و فضل میں آپ کا مقام اس قدر بلند ہے کہ بعد کے علماء نے ایک طرف

خود صحابہ کرام نے آپ کو اپنا بہترین جانشین تسلیم کیا ہے۔ اور ان کے علم وفضل پر اس قدر اطمینان اور اعتماد کا اظہار فرمایا ہے۔ کہ ان کی موجودگی میں کسی بڑے سے بڑے صحابی سے پوچھنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے تھے چنانچہ جب لوگ علمی فیوض حاصل کرنے کے لئے حبر امت حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے گھر جمع ہوتے تو آپ انہیں خطاب کرتے ہوئے فرماتے

تجتمعون الیّ یا اھل مکۃ وعندکم عطاء[1]	"اے اہل مکہ! تم میرے گرد جمع ہو جاتے ہو حالانکہ تمہارے پاس عطاء بن ابی رباح موجود ہیں یعنی ان کے ہوتے ہوئے مجھ سے پوچھنے کی ضرورت نہیں"

اسی طرح جب حضرت عبداللہ بن عمرؓ حج کے لئے مکہ معظمہ تشریف لاتے اور لوگ ان سے مختلف مسائل پوچھنے لگتے تو وہ فرماتے۔

تجمعون لی المسائل وفیکم ابن ابی رباح[2]	تم مجھ سے پوچھنے کے لئے مسائل جمع کر رکھتے ہو حالانکہ تم میں عطاء ابن ابی رباح

حضرت ابو جعفر باقر کے پاس جب لوگ علم حاصل کرنے اور مسائل پوچھنے کے لئے حاضر ہوتے تو فرماتے۔

علیکم لعطاء ھو واللہ خیر منی۔[3]	عطاء کے پاس جاؤ بخدا! اس معاملہ میں وہ مجھ سے بہتر ہیں۔

سرتاج تابعین حضرت قتادہؒ کا بیان ہے

قال لی سلیمان بن ھشام ھل بمکۃ احد؟ قلت نعم اقدم رجل فی جزیرۃ العرب علما قال من قلت عطاء بن ابی رباح۔[4]	"مجھ سے سلیمان بن ہشام نے پوچھا کہ مکہ میں کوئی عالم ہے؟ میں نے کہا جی ہاں مکہ میں وہ شخص موجود ہے جو بلحاظ علم جزیرۃ العرب میں سب پر مقدم ہے بولا وہ کون ہے؟ میں نے کہا وہ عطاء بن ابی رباح ہیں"۔

[1] تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۲۰۱ [2] تہذیب الاسماء ج ۱ ص ۳۳۴ [3] تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۲۰۱ [4] ایضاً ج ۷ ص ۲۰۱

یہی حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں

اذا اجتمع لی اربعۃ لم ابال من خالفھم الحسن و سعید وابراھیم وعطاء ھولاء ائمۃ الامصار[۱]	جب کسی مسئلہ میں حسن بصری، سعید بن مسیب، ابراہیم نخعی اور عطاء متفق ہو جائیں تو پھر مجھے کسی مخالف کی پرواہ نہیں۔ یہ حضرات اسلامی شہروں کے امام ہیں۔"

آپ کے جلیل القدر شاگرد امام ابو حنیفہؒ آپ کو اس طرح خراج عقیدت پیش کرتے ہیں

ما رایت فیمن لقیت افضل من عطاء ولا لقیت فیمن لقیت اکذب من جابر الجعفی[۲]	جتنے اہل علم سے مجھے ملنے کا اتفاق ہوا ہے ان میں عطاء سے افضل کسی کو نہیں پایا اور نہ جابر جعفی سے زیادہ جھوٹا کسے دیکھا ہے۔

حافظ ابن کثیر کے الفاظ یہ ہیں۔

احد کبار التابعین الثقات المرفعاء[۳]	آپ بلند قدر اور لائق اعتماد بڑے تابعین میں سے ہیں۔

امام نوویؒ لکھتے ہیں

واتفقوا علی توثیقہ وجلالتہ وامامتہ[۴]	آپ کی ثقاہت، جلالت قدر اور امامت پر علماء کا اتفاق ہے۔

حافظ ذہبی کہتے ہیں۔

ثبت، رضی، حجۃ، امام کبیر الشان[۵]	آپ ثقہ، حجت اور ایسے عظیم الشان امام ہیں جو سب کے ہاں پسندیدہ ہیں۔

ابن سعد لکھتے ہیں۔

کان ثقۃ فقیھا عالما کثیر الحدیث[۶]	آپ لائق اعتماد، فقیہ اور بہت حدیث بیان کرنے والے عالم تھے۔

---

۱ تہذیب التہذیب ص ۲۰۱ ج ۷ ۲ ایضاً ۳ البدایہ ص ۳۰۶ ج ۹ ۴ تہذیب الاسماء ص ۳۳۴ ج ۱ ۵ تہذیب التہذیب ص ۲۰۳ ج ۷
۶ طبقات ابن سعد ص ۳۴۹ ج ۵

حدیث و فقہ آپ نے کتاب و سنت، ان دونوں سے مستنبط فقہ اور صحابہ کرام اور تابعین عظام سے ماثور و منقول فتاوے کی تحصیل میں اپنی انتہائی و مسلسل کوشش اور لگاتار محنت سے وہ کمال بہم پہنچایا کہ آپ کی علمی برتری کا غلغلہ چار دانگ عالم میں پھیل گیا۔ آئمہ دین اور اساطین علم نے آپ کے تقدم و تفوق کا نہ صرف اعتراف کیا بلکہ اپنے تلامذہ اور متعلقین کو ان سے علم حدیث پڑھنے کی تلقین فرمائی۔ حضرت ابو جعفر باقر فرمایا کرتے تھے:

خذوا من حدیث عطاء ما استطعتم[1]

یعنی جس قدر تم سے ہو سکے عطاء بن ابی رباح سے علم حدیث سیکھو

مسائل حج کا جتنا علم آپ کو تھا اتنا آپ کے زمانہ میں شاید کسی دوسرے بڑے سے بڑے مجتہد اور امام کو بھی نہ تھا۔ اس سلسلہ میں عوام اور خواص آپ کی طرف رجوع کرتے تھے ایک دفعہ حضرت ابو جعفر باقر اپنے حلقہ میں بیٹھے تھے قریب سے حضرت عطاء بن ابی رباح کو گزرتے دیکھ کر فرمانے لگے۔

ما بقی علی ظہر الارض اعلم بمناسک الحج من عطاء بن ابی رباح[2]

آج روئے زمین پر عطا بن ابی رباح سے بڑھ کر مسائل حج جاننے والا کوئی نہیں ہے۔

سرتاج تابعین حضرت قتادہؒ نے بھی مسائل حج میں آپ کے اعلم الناس ہونے کی شہادت دی ہے فرماتے ہیں۔

کان عطاء اعلم الناس بمناسک الحج[3]

حضرت عطاء کو مسائل حج کا سب لوگوں سے زیادہ علم تھا

ایک دفعہ حرم پاک میں لوگ حضرت سعید بن جبیرؓ (جو یگانہ روزگار امام تھے) کے گرد حلقہ باندھے بیٹھے تھے۔ ایک خنگی آیا اور پوچھا ابو محمد کہاں ہیں؟ لوگوں نے حضرت سعید کی طرف اشارہ کیا۔ بولا میں انہیں نہیں پوچھتا ابو محمد کہاں ہیں؟ اس پر حضرت سعید فرمانے لگے امام عطاء کے ہوتے ہوتے ہمیں یہاں کون پوچھتا ہے[4]

۱؎ تہذیب الاسماء ص ۳۳۴ ج ۱ ۲؎ طبقات ابن سعد ص ۳۴۹ ج ۵ ۳؎ ایضاً ۴؎ ایضاً

ان مسائل میں آپ کے استحضار اور وسعت معلومات کا یہ حال تھا کہ خلفائے بنو امیہ ایام حج میں اعلان کرا دیتے تھے کہ

لا یفتی الناس فی الحج الاعطاء ابن ابی رباح[1]	مسائل حج میں بجز عطاء بن ابی رباح کے کوئی شخص لوگوں کو فتوے نہ دے

تفسیر علم تفسیر میں بھی آپ کو بڑا درک تھا۔ قرآن حکیم کے بڑے بڑے عجیب و غریب نکات بیان فرمایا کرتے تھے۔ قوم ثمود کے نو بدکرداروں کا اللہ تعالٰے نے اس طرح ذکر فرمایا ہے۔

وَكَانَ فِي الْمَدِينَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ يُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ وَلَا يُصْلِحُونَ۔ (النمل)	شہر میں نو ایسے شخص تھے جن کا کام غنڈہ گردی اور زمین میں فساد بپا کرنا تھا اور ان سے کوئی نیک کام سرانجام نہیں ہو پاتا تھا۔

آپ فرماتے ہیں ان کا ایک فساد یہ تھا کہ وہ ملک میں رائج الوقت سکے (درہم و دینار) توڑ ڈالتے تھے اور یوں پبلک کے لئے مشکلات پیدا کرتے تھے[2]

ایک شخص نے پوچھا "اس صاحب قلم کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے جو اگر ملازمت اختیار کرے تو اپنے پیشہ (کتابت) سے نہایت آسانی کے ساتھ اپنا اور اپنے بال بچوں کا پیٹ پال سکتا ہے اور اگر ملازمت نہ کرے تو تنگدستی اور افلاس کا شکار ہو جائے گا" آپ نے فرمایا "وہ کس کی ملازمت کرنا چاہتا ہے"؟ سائل نے ایک ظالم حاکم خالد قسری کا نام لیا فرمانے لگے قرآن حکیم میں اللہ تعالٰے کے ایک نیک بندے (حضرت موسٰے علیہ السلام کا قول یوں نقل ہوا ہے۔

رب بما انعمت علی فلن اکون ظہیرا للمجرمین (القصص)	خدایا! تیرے انعامات و نوازشات کا صدقہ! میں کسی مجرم اور گنہ گار کا معاون و مددگار نہ بنوں۔

---

[1] البدایہ والنہایہ ص۳۰۶ ج۹ [2] الفاً ص۳۰۷ ج۹ [3] الفاً ص۳۰۷ ج۹۔

سنتِ رسولؐ کا احترام آپ کی نظر میں حدیثِ پاک کا بے حد احترام تھا جب اس کے بیان کرنے کی آواز کان میں پہنچتی تو ہر طرف سے دھیان ہٹا کر اس کے سماع کے لیے ہمہ تن متوجہ ہو جاتے، پھر جب تک وہ پوری بیان نہ ہو جاتی درمیان میں نہ خود بولتے اور نہ دوسرے کے لیے اس کو پسند کرتے چنانچہ فرماتے ہیں۔

"جب کوئی شخص میرے سامنے حدیث بیان کرتا ہے تو میں اس طرح غور سے سنتا ہوں جیسے میں نے پہلے سنی ہی نہیں۔ حالانکہ میں نے وہ حدیث اس شخص کی پیدائش سے قبل سنی ہوئی ہے۔ ایک روایت میں ہے وہ حدیث مجھے اس سے زیادہ حفظ ہوتی ہے لیکن میرے ذوق و شوق کو دیکھ کر بیان کرنے والا سمجھتا ہے کہ میں نے آج تک نہیں سنی[1]۔"

اگر کوئی درمیان میں بول اٹھتا تو سخت برہم ہوتے اور اس کو احترام حدیث کے منافی خیال فرماتے چنانچہ معاذ بن سعد کہتے ہیں۔

کنا عند عطاء بن ابی رباح	"ایک دن ہم حضرت عطا کی مجلس میں
فتحدث رجل بحدیث	حاضر تھے۔ کوئی آدمی حدیث بیان کرنے
فاعترض له آخر فی حدیثه	لگا۔ ابھی اس نے ختم نہیں کی تھی کہ
فغضب عطاء قال ما هذه	دوسرے آدمی نے اعتراض کرنا شروع کر
الاخلاق؟ ما هذه الطبائع؟	دیا حضرت عطا یہ سن کر غضبناک ہو گئے
انی لاسمع الحدیث من	اور فرمایا یہ کیا عادت ہے، جب مجھ
الرجل وانا اعلم به منه	سے کوئی حدیث بیان کرتا ہے تو میں اس
فاریه انی لا احسن منه	طرح سکوت اور توجہ سے سنتا ہوں کہ
شیئا[2]	بیان کرنے والا سمجھتا ہے کہ میں اسے پہلے

نہیں جانتا تھا، حالانکہ مجھے اس کا علم اس سے زیادہ ہوتا ہے۔"

اتباعِ سنت آپ کو سنت سے بڑی محبت تھی۔ اس کی اتباع آپ کی زندگی کا ماحصل تھا آپ کے جذبۂ اتباعِ سنت کی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ان الفاظ میں شہادت دی ہے۔

---

[1] البدایہ ص ۳۰۹ ج ۹ [2] صفۃ الصفوۃ ص ۱۲۱ ج ۲ و البدایہ والنہایہ ص ۳۰۹ ج ۹۔

لیس فی التابعین احد اکثر اتباعا للحدیث من عطاء[۱] — یعنی تابعین کے پورے گروہ میں عطا سے بڑھ کر حدیث کی اتباع کرنیوالا کوئی نہیں۔

آپ کی اتباع سنت کا ہی یہ اثر ہے کہ آپ کے متوسلین، اونچے طبقہ سے لے کر چھوٹے طبقہ تک اسی رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔ اور ادنے سے ادنے فعل میں بھی سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی ضروری سمجھتے تھے امام ابوحنیفہؒ اپنا ایک واقعہ بیان فرماتے ہیں کہ میں حج کرنے کے لئے مکہ معظمہ گیا تو احکام حج میں مجھ سے پانچ غلطیاں سرزد ہو گئیں جن پر مجھے ایک حجام نے تنبیہ کی۔

(۱) جب میں رمی جمار کے بعد سر منڈانے کے لئے حجام کی دوکان پر حاضر ہوا اور اس سے پوچھا سر مونڈنے پر کیا اجرت لوگے؟ تو وہ بولا آپ جنگل میں رہتے ہیں جو یہ نہیں جانتے کہ سر منڈانا حج کا ایک فعل ہے اور اس میں شرط نہیں کی جاتی۔

(۲) میری باری آنے پر بولا بیٹھئے! مجھے قبلہ رُخ بیٹھنے کا خیال نہ رہا اس لئے کسی دوسری جانب منہ کر کے بیٹھ گیا۔ حجام بولا حضرت! قبلہ رُخ بیٹھئے

(۳) میں نے اسکے آگے سر کا بایاں حصہ کر دیا بولا پہلے دہنی جانب لائیے! چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا

(۴) وہ سر مونڈنے لگا تو میں خاموش بیٹھا رہا کہنے لگا خاموش کیوں بیٹھے ہیں تکبیر پڑھیئے۔ اس کے بعد جب تک وہ سر مونڈتا رہا میں اللہ اکبر کہتا رہا۔

(۵) فارغ ہونے کے بعد میں جانے لگا تو اس نے پوچھا اب کہاں چلے؟ میں نے کہا اپنی قیام گاہ پر جا رہا ہوں بولا پہلے دو رکعت نفل پڑھئے اور اس کے بعد گھر جائیے۔

میں نے دل میں سوچا یہ حجام ضرور عالم ہے جو ایسی چھوٹی چھوٹی فروگذاشتوں پر بھی تنبیہ کرتا ہے۔ میں نے اس سے پوچھا تم نے یہ باتیں جن پر مجھے ٹوکا ہے کس سے سیکھی ہیں بولا یہ سب کچھ حضرت عطاء بن ابی رباح کی فیض صحبت کا نتیجہ ہے۔ وہ ہمیشہ ایسا ہی کرتے ہیں[۲]

غور فرمایئے! ایک عالم باعمل کی صحبت کے نتائج کس قدر دور رس ہوتے ہیں کہ ان سے کوئی چھوٹا بڑا متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا۔

---

[۱] تہذیب الاسماء صفحہ ۳۳۳ ج ۱ [۲] تاریخ ابن خلکان صفحہ ۳۱۸ ج ۱ – نیز مولانا شبیر احمد صاحب دیوبندی نے بھی فتح الملہم شرح صحیح مسلم صفحہ ۳۱۴ ج ۱ میں یہ واقعہ ذکر کیا ہے۔

افتاء آپ اپنے وسیع اور بے پایاں علم کی وجہ سے مرجع خلائق تھے دور و نزدیک سے لوگ بغرض استفادہ اور فتوے لے پوچھنے کے لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ اس سلسلہ میں آپ حبر امت حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے لائق خلیفہ اور صحیح جانشین تھے احمد بن محمد کہتے ہیں۔

کانت الحلقۃ فی الفتیا بمکۃ فی	یعنی پہلے مسجد حرام میں فتوی حضرت عبداللہ
المسجد الحرام لابن عباس و بعد	بن عباس کے حلقہ سے حاصل کیا جاتا
ابن عباس لعطاء ابن ابی	تھا پھر ان کے بعد عطاء بن ابی رباح اس
رباح [1]	حلقہ کے صدر نشین ہوئے۔

امام مالک کے استاذ حضرت ربیعہ جو خود بہت بڑے فقیہ اور نامور محدث تھے فرماتے ہیں۔

فاق عطاء اھل مکۃ فی	حضرت عطاء فتوے دینے میں تمام علمائے
الفتوی [2]	مکہ پر فوقیت رکھتے تھے۔

اس فن میں آپ کی مہارت کی سب سے بڑی اور بین شہادت یہ ہے کہ ایام حج میں خلفائے بنو امیہ کی طرف سے جب کہ اطراف و اکناف عالم سے نہ صرف عوام بلکہ بڑے بڑے اساطین علم جمع ہوتے تھے منادی کرادی جاتی تھی کہ احکام حج میں حضرت عطاء بن ابی رباح کے علاوہ کوئی دوسرا شخص فتوے نہ دے اگر کسی وقت حضرت عطاء نہ مل سکیں تو عبداللہ بن ابی نجیح کی طرف رجوع کیا جائے [3]

ابن العماد حنبلی لکھتے ہیں۔

انفرد بمکۃ بالفتوی ھو	مکہ میں آپ اور مجاہد فتوے دینے
و مجاھد [4]	میں منفرد تھے۔

مگر آپ کا فتوے کتاب و سنت اور اقوال صحابہ پر مشتمل ہوا کرتا تھا۔ آپ کی رائے کو اس میں مطلق دخل نہیں ہوتا تھا اگر کبھی وقت آپ کو کتاب و سنت اور اقوال صحابہ سے دلیل نہ ملتی تو صاف صاف اپنی لاعلمی کا اظہار فرما دیتے۔ اور اپنی رائے و قیاس کو عمل میں نہ لاتے چنانچہ ایک دفعہ آپ سے کوئی مسئلہ پوچھا گیا تو فرمایا مجھے اس کا علم نہیں۔ سائل نے کہا اپنی رائے سے ہی کچھ فرما دیجئے۔ بدلے

---

[1] صفۃ الصفوہ ص۱۱۹ جلد ۲ [2] تہذیب التہذیب ص۲۰۲ جلد ۷ [3] صفۃ الصفوہ ص۱۲۰ جلد ۲ [4] شذرات الذہب ص۱۴۸ جلد ۱

انی استحی من اللہ ان یدان	مجھے شرم آتی ہے کہ اللہ کی زمین میں
فی الارض برایی[۱]	میرے رائے پر عمل کیا جائے۔

نادر مسائل اتباعِ سنت اور اقوالِ صحابہ کی پابندی کے باوجود چند شاذ مسائل بھی آپ سے منقول ہیں جن میں آپ منفرد ہیں جمہور نے ان مسائل میں آپ سے اتفاق نہیں کیا بطورِ نمونہ بعض درج ذیل ہیں۔

(۱) جب عید جمعہ کے دن آئے تو نمازِ عید واجب ہے اس کے بعد جمعہ یا ظہر واجب نہیں۔ لہذا نمازِ عید کے بعد عصر کے سوا اور کوئی نماز نہیں پڑھنی چاہیے[۲]

(۲) جب انسان سفر پر جانا چاہے تو شہر سے نکلنے سے پہلے ہی گھر پر نماز قصر کر سکتا ہے حضرت عبد اللہ بن مسعود کے چند تلامذہ کے علاوہ کسی نے آپ سے اس مسئلہ میں موافقت نہیں کی۔ باقی سب علماء کا یہی مذہب ہے کہ مسافر حدودِ شہر سے نکل کر ہی قصر کرے[۳]

(۳) اگر مسافر خواہ اکیلا ہی ہو اذان اور تکبیر کہے بغیر نماز پڑھے تو اسے وہ نماز دوبارہ پڑھنی چاہیئے[۴]

عبادت آپ کو عبادت اور ذکر و فکر سے بے حد محبت اور شدید لگاؤ تھا ساری ساری رات نماز اور دعا و مناجات میں مشغول رہتے تھے۔ نیند کی بہت کم عادت تھی۔ نرم اور آرام دہ بستر سے سخت نفرت تھی اس میں آپ کو اس قدر غلو تھا کہ فرمایا کرتے تھے۔

لان اری فی بیتی شیطانا	چونکہ تکیہ دیکھ کر سونے کا خیال پیدا ہوتا
خیر من ان اری وسادۃ لانھا	ہے اس لیے میں اپنے گھر میں تکیہ کی بجائے
تدعوا الی النوم[۵]	شیطان کو دیکھنا بہتر سمجھتا ہوں۔

بیس سال تک آپ سونے کے لیے گھر نہیں گئے مسجد ہی آپ کا بچھونا اور مسجد ہی آپ کا بستر تھی۔ جب ذرا طبیعت سست ہوتی مسجد میں ہی تھوڑی دیر سستا لیتے۔ پھر اٹھ کر وہیں عبادت میں مصروف ہو جاتے۔ امام ابن جریج فرماتے ہیں۔

کان فی المسجد فراش عطاء	بغرضِ عبادت بیس سال تک حضرت عطاء
عشرین سنۃ وکان من	کا بستر مسجد میں رہا آپ اس قدر عمدہ نماز
احسن الناس صلوٰۃ[۶]	پڑھتے تھے کہ دوسرے لوگوں میں اس کی [illegible]

۱؎ تہذیب التہذیب ص۲۰۲ ج۷ ۲؎ تہذیب الاسماء ص۳۳۲ ج۱ ۳؎ ایضاً ۴؎ فتح الباری ص۲۵۰ ج۳ ۵؎ البدایہ والنہایہ ص۳۰۸ ج۹ ۶؎ ایضاً ص۳۰۶ ج۹

خشوع و خضوع، انابت الی اللہ اور ظاہری سکون و طمانینت میں آپ کی نماز نمونہ کی نماز تھی۔ جسے لوگوں کے سامنے بطورِ مثال پیش کیا جاتا تھا۔ ایک دفعہ امام سفیان بن عیینہ نے امام ابن جریج کو نماز پڑھتے دیکھ کر فرمایا میں نے آپ جیسا بہتر نماز پڑھنے والا کوئی نمازی نہیں دیکھا۔ امام موصوف بولے اگر آپ حضرت عطاء کو نماز پڑھتے دیکھ لیتے تو کبھی زبان پر یہ الفاظ نہ لاتے۔[۱]

نماز سے شیفتگی اور محبت کا یہ حال تھا کہ باوجود ضعف پیری کے نماز کھڑے ہو کر پڑھتے تھے سورت بقرہ کی دو دو سو آیتیں اس سکون اور اطمینان سے تلاوت فرماتے کہ نہ تو اپنے کسی عضو کو ہلاتے اور نہ ہی پاؤں کو کسی نوع کی جنبش ہونے دیتے تھے۔[۲]

فقیہ شام حضرت امام اوزاعی فرماتے ہیں۔

میں نے حضرت عطاء سے بڑھ کر اللہ تعالےٰ کے لئے زیادہ خشوع کرنے والا کوئی نہیں دیکھا۔ اور نہ فکرِ آخرت میں امام یحییٰ بن ابی کثیر سے زیادہ کسی کو غمناک پایا۔[۳]

اول وقت کی پابندی آپ ہمیشہ اول وقت نماز پڑھتے تھے اس پر آپ کو اس قدر اصرار تھا کہ جب ظالم حکمران اپنے طول طویل خطبوں کی وجہ سے دیر کر دیتے تھے تو آپ خطبہ ہی میں اول وقت اشارہ سے نماز پڑھ لیتے تھے۔ چنانچہ خود فرماتے ہیں۔

ایک دن ولید نے خطبہ جمعہ میں شام کر دی ظہر کی نماز تو میں نے خطبہ میں شریک ہونے سے پہلے ہی پڑھ لی۔ جب عصر کا وقت آیا تو میں نے وہاں بیٹھے بیٹھے اول وقت میں اشارہ کے ساتھ نماز پڑھ لی۔ اور ولید کا خطبہ بدستور جاری تھا۔[۴]

ایک اور واقعہ ملاحظہ فرمائیے۔

محمد بن اسماعیل کا بیان ہے میں ایک دفعہ منیٰ میں حاضر تھا۔ ولید کے سامنے سرکاری کاغذات پیش کئے جا رہے تھے۔ جس کی وجہ سے نماز میں دیر ہو رہی تھی۔ میں نے امام عطاء اور امام سعید بن جبیر کو دیکھا کہ وہ اول وقت بیٹھے بیٹھے اشارہ سے نماز پڑھ رہے ہیں۔[۵]

---

[۱] صفۃ الصفوہ ص۱۲۱ ج ۲ [۲] ایضاً [۳] البدایہ ص۳۰۶ ج ۹ [۴] صفۃ الصفوہ ص۱۲۱ جلد ۲ [۵] فتح الباری ص۳۱۱ جلد ۲ طبع دہلی [۵] حوالہ مذکور۔

روزہ آپ نفلی روزہ کے بھی بڑے دلدادہ تھے۔ مگر آخر عمر میں جب ضعف انتہا کو پہنچ گیا تو اس عبادت سے معذور ہو گئے۔ رمضان کے فرض روزے بھی نہیں رکھ سکتے تھے۔ اس لئے مسکین کو کھانا کھلا دیتے تھے۔

حج حج سے بھی آپ کا شغف کسی دوسری عبادت سے کم نہیں تھا۔ بقول ابن ابی لیلیٰ آپ نے ستر حج کئے۔ اور سو برس عمر پائی [1]

سکوت اور خاموشی آپ بڑے خاموش طبع اور سکوت پسند تھے خدا کی یاد میں اور بعض اوقات پیچیدہ اور مغلق مسائل کے حل کے لئے گھنٹوں اور پہروں سوچ و بچار میں مصروف رہتے تھے۔ جب بولتے تو یوں معلوم ہوتا کہ آپ کو غیب سے امداد مل رہی ہے اسمٰعیل بن امیہؒ کہتے ہیں

کان عطاء یطیل الصمت فاذا	یعنی حضرت عطاء دیر تک خاموش بیٹھے رہتے
تکلم یخیل الینا انه	پھر جب کلام کرنے لگتے تو ہم محسوس
یوید [1]	کرتے کہ آپ کو غیبی تائید حاصل ہے۔

فضول کلام اور لایعنی باتوں سے خود بھی پرہیز کرتے اور دوسروں کو بھی منع فرماتے یعلی بن امیہ کہتے ہیں۔

"ایک دن ہم محمد بن سوقہ کی مجلس میں حاضر ہوئے وہ کہنے لگے میں تمہیں ایک سود مند بات بتانا چاہتا ہوں مجھے اس سے بہت فائدہ ہوا ہے۔ ممکن ہے اللہ تعالےٰ آپ حضرات کو بھی اس سے نفع پہنچائے۔ مجھے حضرت عطاء نے کہا اے بھتیجے پہلے لوگ فضول کلام کو بہت معیوب سمجھتے تھے۔ اور اسے گناہ شمار کرتے تھے۔ اللہ تعالےٰ کی کتاب پڑھنے، امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرنے اور اپنی ضروری معاشی اور لابدی حاجت میں بولنے کے سوا ہر طرح کی گفتگو فضول کلام میں داخل ہے کیا آپ کو اللہ تعالےٰ کا یہ فرمان یاد نہیں رہا۔

وان علیکم لحافظین کراما	تم پر نگہبان مقرر ہیں۔ جو تمہارے اعمال
کاتبین۔	لکھنے والے معزز اور شریف فرشتے ہیں۔

دوسرا ارشاد ہے۔

---

[1] صفۃ الصفوہ ص ۱۲۱ ج ۲ [2] البدایہ ص ۳۰۶ ج ۹

عن الیمین وعن الشمال قعید ما یلفظ من قول الا لدیہ رقیب عتید۔

انسان کے دائیں اور بائیں فرشتے بیٹھے ہیں جب اس کے منہ سے کوئی کلمہ نکلتا ہے تو مقرر شدہ محافظ اس کو فوراً لکھ لیتا ہے۔

کیا یہ شرم کی بات نہیں ہے کہ انسان کا صحیفہ جو دن بھر لکھا تا رہا ہے کھولا جائے تو اس میں زیادہ تر وہ باتیں ہوں جن کا اس کے دین اور دنیا سے کچھ تعلق نہ ہو۔

زہد و ورع آپ بہت بڑے زاہد اور انتہائی پرہیزگار تھے دنیا اور حطام دنیا سے قطعاً لگاؤ نہیں تھا۔ روکھا سوکھا کھا کر اور معمولی و سادہ لباس پہن کر پوری زندگی بسر کر دی مگر کبھی کسی کا نذرانہ یا تحفہ قبول نہیں کیا۔ اور نہ ہی کبھی اپنے علم و عمل کا سودا کرنے کا خیال دل میں آنے دیا۔ سلمہ بن کہیل کہتے ہیں۔

ما رایت احدا یرید بھذا العلم وجہ اللہ عزوجل غیر ھؤلاء الثلاثۃ عطاء وطاؤس ومجاھد[1]

میں نے عطاء بن ابی رباح، طاؤس اور مجاہد کے سوا کوئی ایسا شخص نہیں دیکھا جو اپنے علم سے محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور ثواب آخرت کا طلبگار ہو۔

اگر کبھی خلیفۂ وقت (جس کے خزانہ میں تمام رعیت کا حق ہوتا ہے) کی طرف سے مالی امداد کی پیشکش کی جاتی تو آپ اسے کمال استغناء سے ٹھکرا دیتے، اور کسی کا احسانمند ہونا گوارا نہ کرتے۔ چنانچہ ایک دفعہ آپ خلیفہ عبدالملک بن مروان کے دربار میں پہنچے تو اس نے آپ کو دیکھتے ہی آگے بڑھ کر آپ کا استقبال کیا اور نہایت ادب و احترام کے ساتھ تخت پر بٹھایا آپ نے خلیفہ کو مسلمانوں کے حالات اور ضروریات کے سلسلہ میں خبرگیری اور خدا ترسی پر متوجہ کیا اس کے بعد جب جانے لگے تو عبدالملک نے کہا۔

انما سالتنا حاجۃ لغیرک فما حاجتک انت

یعنی آپ نے لوگوں کی ضروریات کی طرف تو توجہ دلائی ہے اپنی حاجت کے متعلق بھی کچھ فرمایئے۔

[1] صفۃ الصفوہ ص ۱۱۹/۲۴۳۔

کہنے لگے مالی الی مخلوق حاجۃ مجھے کسی انسان کی طرف کوئی حاجت نہیں ہے۔[1]

بے نیازی خالق کے ساتھ کمال تعلق اور مخلوق سے انتہائی بے نیازی کا ہی یہ نتیجہ ہے کہ جب کبھی حکام وقت اور خلفائے نامدار کو علمی استفادہ کی ضرورت پیش آتی تو بجائے اس کے کہ وہ آپ کو اپنے ہاں بلانے کی جرأت کرتے خود آپ کے درِ دولت پر حاضر ہوتے اور اس چشمہ شیریں سے اپنی پیاس بجھاتے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ امیر المومنین سلیمان بن عبد الملک کو مسائل حج جاننے کی ضرورت محسوس ہوئی تو وہ اپنے دونوں بیٹوں سمیت آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ اس وقت نماز پڑھ رہے تھے۔ آپ نے خلیفہ کی آمد پر نماز مختصر نہیں کی اور نہ کسی طرح کی عجلت اور جلد بازی سے کام لیا۔ بلکہ جب اطمینان کے ساتھ نماز سے فارغ ہوئے تو خلیفہ اور شہزادوں کی طرف منہ کر کے بیٹھ گئے وہ مسائل حج دریافت کرنے لگے۔ جن کو آپ نے بالوضاحت بیان فرمایا۔ جب وہ مسائل پوچھ چکے تو آپ پیٹھ پھیر کر ذکر الہٰی میں مشغول ہو گئے۔ خلیفہ جو نیاز مندوں اور جی حضوریوں کے جھرمٹ میں رہنے کی وجہ سے خوشامد اور تملق کا خوگر تھا) یہ حالت دیکھ کر دل ہی دل میں کڑھنے لگا۔ مگر کیا کر سکتا تھا شاہزادوں سے بولا اٹھو چلیں باہر آئے تو کہنے لگا۔

یا ابنی لا تنیا فی طلب	میرے بیٹو! علم طلب کرنے میں ہرگز سستی
العلم فانی لا انسی ذلنا	نہ کرنا میں (اپنی علمی بے مائگی کی وجہ سے)
بین یدی ھذا الغلام	اس سیاہ فام غلام کے سامنے اپنی
الاسود[2]	ذلت آمیز حاضری کو کبھی فراموش نہیں کر سکتا

غور فرمائیے! اگر آپ کی جگہ کوئی جاہ طلب اور دنیا پرست عالم ہوتا تو یقیناً خلیفہ کے ساتھ اس کا طرزِ عمل اس سے مختلف ہوتا۔ مگر آپ کے رگ وریشہ میں تو خدا تعالےٰ کو خوش کرنے کی دھن سمائی ہوئی تھی۔ اس لئے دوسروں کی خوشی یا ناراضی سے بالاتر تھے۔

عقائد اعتقادیات میں آپ صحابہ کرام اور تابعین عظام کے مسلک پر گامزن تھے۔ ایمان کی کمی و بیشی کو مانتے تھے۔ اور اعمال کو جزِ ایمان جانتے تھے۔ یعنی سلف صالحین کی طرح آپ

[1] احیاء العلوم ص ۲۳۹/ج۲ [2] صفۃ الصفوہ ص ۱۱۹/ج۲

یعنی الایمان قول وعمل یزید وینقص کے قائل تھے۔ ایک شخص نے آپ سے کہا، بعض لوگ ایمان کی زیادتی ونقصان تسلیم نہیں کرتے فرمانے لگے۔ اللہ تعالٰے کا ارشاد ہے۔

والذین اھتدوا زادھم ھدی فما ھتدا الھدی الذی زادھم؟	جو لوگ راہ راست پر آ گئے اللہ تعالٰے نے ان کو ہدایت میں زیادہ کر دیا یہ ہدایت ۔ جس میں اللہ تعالٰے نے ان کو زیادہ کیا یہ ہدایت کیا ہے؟

(یعنی یہ ایمان ہی ہے جو کبھی کم اور کبھی زیادہ ہوتا ہے) سائل نے کہا بعض لوگ نماز اور زکوٰۃ کو دین کے کام نہیں مانتے فرمانے لگے اللہ تعالٰے کا ارشاد ہے۔

وما امروا الا لیعبدوا اللہ مخلصین لہ الدین حنفاء ویقیموا الصلوٰۃ ویؤتوا الزکوٰۃ وذلک دین القیمۃ؎	یعنی اللہ تعالٰے نے اپنے بندوں کو اخلاص اور یکسوئی کے ساتھ عبادت کرنے کا حکم دیا اور یہ کہ وہ نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں۔ یہی سیدھا اور مضبوط دین ہے دیکھئے ان اعمال کو اللہ تعالٰے نے دین (یعنی ایمان) قرار دیا ہے۔"

آپ نیک و بد تقدیر کو مانتے تھے، اہل قبلہ کی کسی گناہ کی وجہ سے تکفیر جائز نہیں سمجھتے تھے اور اسلاف کے حق میں سب وشتم کو فسق قرار دیتے تھے چنانچہ امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں میں مکہ میں عطاء بن ابی رباح سے ملا اور کچھ مسائل دریافت کئے فرمانے لگے۔ آپ کہاں کے رہنے والے ہیں۔ میں نے کہا میں کوفہ کا رہنے والا ہوں کہنے لگے۔ آپ اس شہر کے رہنے والے ہیں جس کے باشندے دین کو چھوڑ گئے ہیں۔ اور مختلف فرقوں میں بٹ گئے ہیں۔ میں نے کہا جی ہاں۔ فرمانے لگے آپ کس جماعت سے تعلق رکھتے ہیں۔ میں نے عرض کیا میرا تعلق اس جماعت سے ہے جو اسلاف کے حق میں سب وشتم جائز نہیں رکھتی۔ تقدیر پر ایمان لاتی ہے اور کسی گناہ کی وجہ سے اہل قبلہ کی تکفیر نہیں کرتی۔ فرمانے لگے ٹھیک ہے اس کو لازم پکڑو؎

؎ البدایہ ص ۳۰۷/۹۶ ؎ ایضاً۔

ایک دفعہ بیت اللہ کا طواف کر رہے تھے فرمانے لگے مجھ سے یہ باتیں سیکھو اور خوب یاد رکھو۔

(۱) نیک و بد اور تلخ و شیریں تقدیر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے بندوں کے ارادے اور مرضی کو اس میں کچھ دخل نہیں

(۲) اہل قبلہ مومن ہیں بجز شرعی حقوق کے ان کے خون اور مال حرام ہیں۔

(۳) باغیوں کے ساتھ لڑائی کرنے میں ہاتھوں، جوتوں اور ہتھیاروں سے کام لو۔

(۴) خوارج کی گمراہی اور ضلالت کی شہادت دو[1]

حلیہ اور عام حالات آپ سیہ فام، پست بینی، ایک آنکھ سے کانے، ایک ہاتھ سے ناکارہ اور لنگڑے تھے۔ بعد میں نابینا بھی ہو گئے تھے۔ بہت سادہ اور تنگی ترشی کی زندگی بسر کرتے تھے قمیص نہیں پہنتے تھے۔ آپ نے کبھی ایسا کپڑا نہیں پہنا جس کی قیمت سوا روپیہ ہو بلکہ ہمیشہ اس سے کم قیمت ہوتا تھا۔ داڑھی اور سر پر مہندی کا خضاب کیا کرتے تھے والدین کی طرف سے ان کے مرجانے کے بعد ہمیشہ صدقۃ الفطر ادا کیا کرتے تھے۔

اولاد آپ کا ایک لڑکا یعقوب تھا جو آپ سے روایت بھی کرتا تھا۔ ان کے علاوہ کسی اور اولاد کا علم نہیں ہو سکا۔

تلامذہ آپ نے اپنی زندگی کتاب و سنت اور دیگر علوم شریعت کی نشر و اشاعت اور انکی تعلیم و تدریس کے لیئے وقف کر رکھی تھی۔ اس لیئے آپ سے بے شمار لوگوں نے تعلیم حاصل کی۔ مندرجہ ذیل خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔

آپ کے صاحبزادے یعقوب، امام ابو اسحاق سبیعی۔ امام زہری، امام مجاہد۔ امام ابو حنیفہ کوفی۔ امام ایوب سختیانی، سلمہ بن کہیل، قتادہ، مسلم بطین، ابن ابی لیلی، مطر وراق، یزید بن ابی حبیب اور جریر بن حازم وغیرہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔

وفات آپ نے تقریباً نصف صدی تک قال اللہ و قال الرسول کا غلغلہ بلند کرنے کے بعد ۸۷ سال عمر پا کر ہشام بن عبد الملک کے عہد حکومت میں ۱۱۴ھ میں داعی اجل کو لبیک کہا۔

انا للہ و انا الیہ راجعون

---

[1] البدایہ ص ۳۰۶ ج ۹